R. No. 2186/57

Regd. No. L. 922.

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Date
1-8-15-22

Phone [illegible]
Annual Rs. 4/[illegible]
Per Copy -/16 P

جلد ۲۵ - شمارہ ۳۷	ایڈیٹر: آل احمد سرور	یکم اکتوبر ۱۹۶۶ء

اداریہ

گاندھی جینتی

دوسری اکتوبر کو سارے ملک میں پھر گاندھی جی کا جنم دن منایا جائے گا۔ اسکولوں اور کالجوں میں جلسے ہوں گے۔ گاندھی جی کی تصانیف جو کونوں کھدروں میں رکھی گرد کھا رہی ہیں، انھیں جھاڑ پونچھ کر نمائش کے لیے نکالا جائے گا۔ مقرر گاندھی جی کی خدمات کو خوبصورت الفاظ کی مالا پہنا کر ان کی تعلیم پر چلنے کے لیے نوجوانوں کو ہدایت کریں گے۔ جلسہ ختم ہونے کے بعد مقرر اور سامعین دونوں ایک فرض ادا کر کے سبکدوش ہو جائیں گے اور ہماری اسی محدود، بے جگہی، کاروباری زندگی کا ڈھرا بدستور چلتا رہے گا۔

تو کیا آزاد ہندوستان کو گاندھی جی کی اتنی ہی ضرورت ہے۔ کیا ان کے نام پر کچھ ادارے، کچھ سڑکیں، کچھ عمارتیں، سال میں ایک دفعہ چھٹی اور کچھ جلسے بس یہی کافی ہے۔ کیا آزادی کے اس مجاہد اعظم، اس پیرمغاں، اس آزاد ہندوستان کے رہنما کا ہم پر اتنا ہی حق ہے۔ کیا گاندھی جی کی سادگی، ان کی فقیرانہ روش، عوام سے ان کی محبت، ذات پات کے خلاف ان کا جہاد، ہندوستان کے مختلف فرقوں میں اتحاد کے لیے ان کی کوشش، ان کی حق گوئی، ان کی اخلاقی عظمت، ان کی سودیشی کی تحریک، خود کفالتی سماج پر ان کا اصرار، دیہات کو سدھارنے اور کسان کے حالِ زار کو بہتر بنانے کے لیے ان کی جدوجہد اب نقش ونگارِ طاقِ نسیاں ہونے کے لائق رہ گئی ہے۔ کیا ان کے سب سے بڑے چیلے نہرو یا بھاوے کا احترام کافی ہے اور سیاست کے لیے ان کے اپدیش بے معنی ہیں۔ کیا شردوے صرف ڈاکوؤں کے دل بدل سکتا ہے، کیا گرام دان ایک مذاق ہے۔ کیا گاندھی جی کے نام کی ایسی پرستش اور ان کے اخلاقی مشن سے ایسی بے نیازی ہماری موجودہ زندگی کے کسی بہت بڑے تضاد کی آئینہ دار نہیں ہے۔

ایک انگریز کالم نویس نے لکھا تھا کہ گاندھی جی کا اثر اگر آج بھی کہیں ملتا ہے تو وہ امریکہ کے بعض نیگرو پادریوں میں۔ ہندوستان میں تو گاندھی جی ایک دھندلی سی یاد بن کر رہ گئے ہیں۔

گاندھی جی کی ہر بات سے اتفاق ضروری نہیں۔ مگر ان کے یہاں روح کی پاکیزگی، قلب کی طہارت، ذہن کی وسعت اور طریقۂ کار کی صحت پر جو اصرار ہے اس سے ہم نے ابھی تک بہت کم سبق سیکھا ہے۔ ان کے یہاں سادہ طرزِ زندگی پر جو زور تھا اسے ہم نے بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ ان کے یہاں حکومت کے بجائے خدمت کا جو تصور تھا اُسے ہم بے معنی سمجھنے لگے ہیں۔ ان کے یہاں نفرت کے بجائے محبت پر جو توجہ تھی وہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ یہی ہماری مشکلات کا راز ہے۔ ہمارا ملک بہت بڑا ہے۔ اس کے مسائل بھی بڑے ہیں۔ ان مسائل کو حل کرنے کے لیے ہمیں وسیع ذہن کشادہ دل اور خلقِ خدا کی خدمت سے معمور جذبہ پیدا کرنا ہوگا۔ گاندھی جینتی کے دن ہمیں اس بات کو یاد رکھنا چاہیے اور اس چنگاری سے ایک شعلہ پیدا کرنا چاہیے۔ حکومت اور عوام جب تک گاندھی جی کے اخلاقی مشن کو نہیں اپنائیں گے، وہ نہرو کے سماجی مشن کا حق بھی ادا نہیں کر سکیں گے اور اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہیں گے۔ جدید دور بڑا ظالم ہے۔ یہ دور ہم کو پیس کر رکھ دیتا ہے۔ اس سے وہی عہدہ برا ہو سکتے ہیں جو دھرتی سے تعلق رکھیں اور دھرتی کے سب باسیوں کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھیں۔ دھرتی سے مضبوط رشتہ درخت کو وہ نیزے دیتا ہے جو آسمان میں شگاف کرتے ہیں۔ گاندھی سے وفاداری کے راستے سے رفتہ رفتہ جدید دور میں جینے کا سلیقہ بھی آ سکتا ہے۔ نیا ہونے کے لیے پرانا بھی ہونا پڑتا ہے۔

معتمد عمومی انجمن ترقی اردو آندھرا جناب حبیب الرحمٰن کو ساہتیہ چار کی اعزازی ڈگری

حیدرآباد، ۲۰ ستمبر۔ ہندی پرچار سبھا، حیدرآباد کی سلور جوبلی کے موقع پر ایک خصوصی اجتماع میں اردو زبان و ادب کی نمایاں خدمات انجام دینے کے صلہ میں بیدوفیسر حبیب الرحمٰن صاحب معتمد عمومی انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کو "ساہتیہ چار" کی اعزازی ڈگری اور ایک شال عطا کیا گیا۔ اسی طرح سے اردو اور ہندی کے مشہور ادیب جناب سری نیواس لاہوٹی صاحب کو ہندی زبان و ادب کی نمایاں خدمات انجام دینے کے صلہ میں "ہندی وبھوشن" کے اعزاز اور شال سے نوازا گیا۔ اس خصوصی اجتماع کی صدارت ڈاکٹر ایم چنا ریڈی وزیر مالیہ حکومت آندھرا پردیش نے کی۔ اس موقع پر ہندی اردو کے نامور ادیب موجود تھے۔

(نامہ نگار)

لندن میں اردو لائبریری
شہزادی مارگریٹ افتتاح کریںگی

حیدرآباد ۱۰ ستمبر۔ ملکہ الزبتھ کی چھوٹی بہن شہزادی مارگریٹ لندن میں ایک نئی قائم شدہ اردو لائبریری کا افتتاح کریں گی۔ یہاں انجمن ترقی اردو کے سکریٹری جناب حبیب الرحمٰن کے نام لائبریری کے سکریٹری جناب ایم۔ اے حبیب کا ایک خط موصول ہوا ہے جس میں اس امر کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جناب حبیب نے انجمن کی طرف سے دو سو کتابوں کے عطیہ کا شکریہ ادا کیا ہے۔ جناب حبیب نے مزید لکھا ہے کہ لائبریری کے منتظمین مقامی انگریزوں کو اردو پڑھانے کا انتظام بھی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ (آبشار کلکتہ)

ڈاکٹر سیدہ جعفر کی نئی کتاب "دکنی رباعیات"

ساہتیہ اکیڈمی آندھرا پردیش حیدرآباد کے زیر اہتمام ممتاز نقاد اور کئی تحقیقی و علمی کتابوں کی مصنفہ محترمہ ڈاکٹر سیدہ جعفر صاحبہ لکچرار جامعہ عثمانیہ کی نئی کتاب "دکنی رباعیات" عنقریب شائع ہو رہی ہے۔ دکنی رباعیات پر یہ پہلی کتاب ہے جس میں تیس شعراء کی کوئی تین سو بہتر غیر مطبوعہ دکنی رباعیات پہلی مرتبہ یکجا کی گئی ہیں۔ مشہور شعراء میں غواصی، نصرتی، [illegible] وغیرہ شامل ہیں۔ ڈاکٹر سیدہ جعفر نے ابتدائی حصہ میں رباعی کے فن اور دکنی رباعیوں کی خصوصیات پر اپنے مخصوص طرز نگارش میں روشنی ڈالی ہے۔ (دکن [illegible] حیدرآباد)

کرشن چندر کے فن پر بہترین خطوط لکھنے کے لیے
طلبہ اور طالبات کو انعامات

ماہنامہ شاعر بمبئی کا نہایت ضخیم اور خوبصورت "کرشن چندر نمبر" شائع ہونے والا ہے۔ کالجوں اور ہائی اسکولوں کے جو طلباء و طالبات اردو کے مشہور و ممتاز افسانہ نگار کرشن چندر کے فن اور شخصیت پر خطوط لکھ کر اظہار خیال کریںگے۔ ان میں سے بہترین خطوط پر چند انعامات دیے جائیںگے۔ انعامات کی تفصیل یہ ہے: (۱) سب سے اچھے خط پر پہلا انعام پچاس روپیہ نقد اور ایک کاپی کرشن چندر نمبر (۲) دوسرا انعام تیس روپیہ نقد اور ایک کاپی کرشن چندر نمبر (۳) تیسرا انعام بیس روپیہ نقد اور ایک کاپی کرشن چندر نمبر (۴) دس بہترین خطوط پر دس انعامات۔ ایک ایک کاپی کرشن چندر نمبر مع کرشن چندر کے دستخطوں کے۔ (۵) خطوط بھیجنے کی آخری تاریخ ۳۰ اکتوبر ۱۹۶۶ء ہے۔ مزید تفصیلات کے لیے اگست ۱۹۶۶ء کا ماہنامہ شاعر دیکھیے۔ (ایڈیٹر ماہنامہ شاعر، مکتبہ قصر الادب، پوسٹ بکس [illegible] بمبئی)

شکیل بدایونی صحت یاب ہو گئے

مشہور شاعر شکیل بدایونی جو مسلسل دو سال سے علیل تھے اور ایک سال بمبئی چھوڑ کر پونہ کے قریب پنچ گنی اور پھر [illegible] علاج و تبدیل آب و ہوا جا بسے تھے۔ اب مکمل طور سے شفایاب ہو کر بمبئی واپس آ گئے ہیں۔ (ایک نامہ نگار)

مولانا احسن مارہروی کا دیوان "احسن الکلام" شائع ہو گیا

پشاور [illegible] ستمبر۔ ادبی حلقوں میں یہ خبر مسرت کے ساتھ سنی جائے گی کہ مولانا احسن مارہروی کا دیوان موسومہ "احسن الکلام" شائع ہو گیا ہے۔ اس کی اشاعت مکتبہ تخلیق ادب، آدم خان مارکیٹ، بندر روڈ کراچی کے زیر اہتمام ہوئی ہے اور اس کی قیمت سات روپیہ ہے۔ (س۔ ا۔ مارہروی)

"شیر پنجاب" کا سالنامہ ۱۹۶۶ء

معاصر شیر پنجاب ہفتہ وار دہلی نے حال میں اپنا سالنامہ شائع کیا ہے۔ اس سالنامہ میں سیاسی و تاریخی، ثقافتی، فلسفیانہ، معلوماتی، علمی اور ادبی مضامین اور نظمیں شامل ہیں۔ مضمون نگاروں میں جناب [illegible]، خواجہ غلام محمد صادق، مسٹر مشتاق احمد، بھائی جودھ سنگھ، مسز ارونا آصف علی، جناب دھرم پال، جناب ام سرن نگینہ، جناب نور جنگ ایوان ایم۔ اے، جناب محمد افضل خاں، ڈاکٹر شیر سنگھ، پروفیسر عبدالمجید ایم۔ اے کے علاوہ اخبار کے چیف ایڈیٹر سردار جنگ بہادر سنگھ کے مضامین بھی شامل ہیں۔ سالنامے کی قیمت ایک روپیہ ہے۔

(ملنے کا پتہ: منیجر اخبار شیر پنجاب، پوسٹ بکس [illegible] نئی دہلی)

میر انیس کے پرپوتے میر حزیں کا انتقال

لکھنؤ ۲۲ ستمبر۔ یہ خبر ادبی حلقوں میں بڑے افسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ سید محمد ہاشم حزیں لکھنوی کا ایک طویل علالت کے بعد کل انتقال ہو گیا۔ ان کی عمر تقریباً چالیس سال تھی۔

حزیں لکھنوی مشہور و معروف مرثیہ گو میر انیس مرحوم کے پرپوتے اور [illegible] کی اولاد ذکور میں آخری تھے۔ اب میر صاحب کے خاندان میں [illegible] رہ گئی ہے۔

حزیں لکھنوی عرصہ سے تپ دق میں مبتلا تھے۔ ان کی شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔ اپنے خاندانی فن مرثیہ گوئی سے شغف رکھتے تھے اور بعض [illegible] مرثیے انھوں نے کہے ہیں۔

ادارہ "ہماری زبان" میر حزیں کی وفات پر اپنے گہرے رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔

بہار کے اردو دوست ڈاکٹر مظفر احمد اعجازی کا انتقال

مظفرپور ۲۶ ستمبر۔ اردو زبان و ادب سے محبت کرنے والوں میں یہ خبر نہایت افسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ بہار کے ممتاز اور سرگرم اردو دوست ڈاکٹر مظفر احمد اعجازی کا انتقال آج صبح ساڑھے نو بجے ہو گیا۔

بہار میں اردو کی تحریک چلانے والوں میں ڈاکٹر مظفر احمد اعجازی کو ایک نمایاں مقام حاصل تھا۔

ادارہ "ہماری زبان" پسماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

خواجہ مسعود علی ذوقی

نیاز فتحپوری

نیاز فتحپوری لگ بھگ پچاس سال تک اردو ادب میں اپنی تنہا ذات سے ایک مستقل ادارے کی حیثیت اختیار کئے رہے۔

میں جب اس عظیم المرتبت ادیب کے کارناموں کا تصور کرتا ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ نیاز فتحپوری کسی ایک آدمی کا نام نہیں، کئی آدمیوں کا، بلکہ پانچ چھ مختلف آدمیوں کا نام تھا، اور ان میں سے ہر شخص کسی نہ کسی فن میں اپنے عہد کا ایک ممتاز اہل کمال تھا۔

نیاز ایک بلند پایہ صحافی، ایک اعلیٰ درجے کے صاحب اسلوب انشا پرداز، اپنے دور کے کامیاب افسانہ نگار، صاحب بصیرت نقاد، وسیع النظر مفکر اور زندگی کی جولانی سے بھرپور ایک جیتے جاگتے باغ و بہار دوست تھے۔

سچ پوچھئے تو یہ ایسے نادر اوصاف ہیں کہ ان کا مرکب اگر حسن اتفاق سے کسی فرد واحد کی شخصیت میں ڈھل جائے، تو اسے دیکھ کر بے اختیار اقبال کا یہ شعر زبان پر آجاتا ہے ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ایمان کی بات تو یہ ہے کہ نیاز فتحپوری کی شخصیت کا ہر پہلو بذات خود اپنی جگہ اتنا روشن اور تابناک ہے اور صرف اسی ایک پہلو کے دائرے کے اندر ان کے کارنامے اتنے شاندار اور حیرت خیز ہیں کہ ان کے محض ایک رخ کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ قدرت نے انھیں خاص طور پر اسی کام کے لیے تخلیق کیا تھا۔

نیاز فتحپوری نے ایک بے لاگ صحافی کی حیثیت سے نگار کے ذریعہ اردو ادب کی جیسے شل خدمت انجام دی ہے اگر اس کے علاوہ وہ اور کچھ نہ کرتے تب بھی اردو کے محسنوں میں ان کا نام سر فہرست ہوتا۔

اگر انھوں نے صرف وہ دل آویز اور خوبصورت انشائیے لکھے ہوتے جن کی کسی زمانے میں ادب لطیف کے نام سے بڑی دھوم تھی تب بھی اردو ادب کی تاریخ میں ان کا ایک نمایاں مقام ہوتا۔

اگر نیاز فتحپوری نے اور کچھ نہ کیا ہوتا، صرف وہ تنقیدی مضامین لکھے ہوتے جو اس ترقی یافتہ زمانے میں بھی ہمارے تنقیدی ادب کا ایک قابل قدر سرمایہ تصور کئے جاتے ہیں، تب بھی اگلی نسلیں ان کا نام کبھی فراموش نہیں کر سکتی تھیں۔

میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اگر نیاز فتحپوری نے ان میں سے کوئی خدمت بھی انجام نہ دی ہوتی اور تمام عمر وہ صرف اس قسم کے مدلل اور زوردار مضامین لکھتے رہتے جن میں انھوں نے اپنے عہد کے ناقص تصورات اور عقل دشمن عقائد کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے نوجوان طبقے کو زندگی کے مسائل پر سوچنے کا ایک نیا ڈھنگ سکھلایا، تب بھی بلا شک و شبہ ان کا شمار اپنے دور کے ممتاز مفکروں میں ہوتا۔

نیاز فتحپوری کا ذہن شاداب اور ان کی نظر ہمہ گیر تھی۔ وہ ان تمام مسائل سے ذاتی اور گہری دلچسپی رکھتے تھے جن سے انسانی فکر کو خدا کی اس وسیع کائنات میں دوچار ہونا پڑتا ہے۔ جن موضوعات پر انھوں نے ایک سے ایک بڑھ کر فکر آفریں اور خیال انگیز مضامین لکھے، ان میں ادبیات اور لسانیات کے علاوہ مذہبی، اخلاقی، معاشیاتی، عمرانی، تاریخی، سیاسی، ثقافتی، نفسیاتی، روحانی، جنسیاتی، جمالیاتی، مابعد الطبیعاتی اور ان کے علاوہ بھی دنیا بھر کے نہ جانے کون کون سے مسائل شامل ہیں۔ نیاز کے دائرۂ تحریر کی وسعت کو دیکھ کر عقل چکرا جاتی ہے اور سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیسا دماغ تھا جو اتنے متنوع اور رنگا رنگ مسائل پر بیک وقت اس قدر عالمانہ اور ماہرانہ اعتماد کے ساتھ مضامین لکھنے پر قدرت رکھتا تھا

نیاز فتحپوری نے اپنی تحریروں سے فکر و نظر کی لاتعداد نئی راہیں کھولیں اور اس صدی کے ادیبوں کی صرف ایک نسل نہیں، بلکہ دو نسلوں کے ذہنوں پر گہرا اور پائدار اثر ڈالا۔ جن مسائل پر قدامت پرست نکتہ چینیوں کے ڈر سے لوگ قلم ہاتھ میں لیتے ہوئے گھبراتے تھے، ان مسائل پر نیاز نے بڑی بے باکی سے ڈٹ کر لکھا اور نہایت دلیری سے روایتی اور غیر منطقی طرز فکر کی کوتاہیوں کا پول کھول کر بہت سے غلط معتقدات کی دھجیاں اڑا دیں۔ اس طرح انھوں نے نوجوان ادیبوں کے لیے عقلیت، حقیقت پرستی اور ذہنی آزادی کا راستہ صاف کر دیا۔

ادبی صحافت کے میدان میں نیاز کے مقابلے کا مدیر اردو تو در کنار ہند و پاک ہی نہیں، بلکہ ایشیا کی کسی زبان میں بھی مشکل سے نکلے گا۔ وہ اہم سے اہم علمی یا ادبی موضوع پر اپنی تنہا صرف اپنے قلم کے بل بوتے پر نگار کا ضخیم سے ضخیم سالنامہ شروع سے آخر تک لکھ ڈالنے پر قادر تھے۔

شعر و ادب کے خاص خاص اہم موضوعات اور مشہور شاعروں کے بارے میں رسالے کا خاص نمبر نکالنے کی روایت بھی سب سے پہلے نیاز فتحپوری نے قائم کی تھی انھیں کی تقلید میں آج کئی رسالے اس روایت کو آگے بڑھانے کی مفید خدمت انجام دے رہے ہیں۔

انشا پردازی میں نیاز کے شگفتہ اور منفرد اسلوب کا جواب نہیں نیاز کو بجا طور پر لفظوں کا جادوگر کہا جا سکتا ہے۔ لیکن ان کی نثر محض خوبصورت الفاظ کا نظر فریب طلسم نہیں ہے۔ ان کی انشا کی دلکشی اور اثر کا راز ہیئت اور معنی کی مکمل ہم آہنگی میں پنہاں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موقع و محل کی مناسبت سے کہیں تو ان کی نثر میں سر بفلک پہاڑوں کا جلال و شکوہ ملتا ہے، کہیں سبزہ زاروں اور خیابانوں میں بہتے ہوئے سبک خرام چشموں کی دل افروز روانی، کہیں نیلے سمندر کی متحرک سطح پر چنچل موجوں کا رقص اور کہیں اپنے سفر کی آخری منزل میں کسی بڑے دریا کا پر وقار بہاؤ۔

جہاں تک تنقید کا تعلق ہے نیاز کے مزاج کو ایک طور پر قدیم اور جدید کا سنگم تصور کرنا چاہئے۔ یہ اپنی کلاسیکی شاعری کے وہ بہت بڑے مبصر تھے۔ اس لیے زبان و محاورے کی صحت، فن کی روایت کا احترام اور عروض کے قاعدے قانون کی پابندی ان کی نظروں میں بہت

کرامت علی کرامت

مومن کا ایک شعر

دفن جب خاک میں ہم سوختہ ساماں ہوں گے
فلس ماہی کے گلِ شمع شبستاں ہوں گے
(مومن)

حالانکہ بعض ناقدین نے نازک خیالی کے لیے اس شعر کی بڑی تعریف کی ہے، لیکن ہمیں یہ بھولنا چاہیے کہ شعر کے لیے نازک خیالی ہی سب کچھ نہیں ہے۔ شاعر کے پیچیدہ جذبات کے سادہ ابتدائی عناصر کا مطالعہ کرتے ہوئے ابلاغ کے مختلف مدارج میں جذبات کی اضافی فراوانی کی تلاش ہمارا حاصل مقصد ہونا چاہیے۔ غزل میں یا تو قافیے اور ردیف سے وابستہ ذہنی پیکر (IMAGE) سے تخلیقی جذبات متحرک ہوتے ہیں یا شعور، تحت الشعور، غیرارادی لاشعور (AUTOMATIC UNCONSCIOUS) یا قبل شعور (PRE-CONSCIOUS) سے ابھرتے ہوئے ذہنی پیکر کے دھاروں کا رخ ردیف و قافیہ کے ذہنی پیکر سے وابستہ جذبات کے ذریعہ ایک ایسی ماورائی اصلیت کی سمت موڑ دیا جاتا ہے جس نے شاید اب تک ذہن شاعر میں کوئی متعین شکل اختیار نہیں کی، بلکہ ایک مبہم یا غیرواضح صورت میں موجود ہے۔ لیکن جذبات کے تسلسل کی روشنی میں اس ماورائی اصلیت کے رخ سے ہر طرح کی نقاب اٹھائی جا سکتی ہے اور شاعر کے مدنظر اب جو اصلیت ہوتی ہے اس سے وابستہ جذبہ شعر کی روح بن جاتا ہے۔ بلکہ یہی شے قاری کے ذہن کو سب سے پہلے متاثر کرتی ہے۔ یہ جذبہ اگر بہت شدید ہو، تو ابلاغ میں رکاوٹ محسوس ہوگی اور جذبات کی اضافی فراوانی بھی قائم نہ رہ سکے گی۔ یہی حال مومن کے مندرجہ بالا شعر کا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس شعر کے پہلے مصرع میں "سوختہ ساماں ہوں گے" اور دوسرے مصرعے میں "شمع شبستاں ہوں گے" شاعر کے جذبات کو متحرک کرنے کے لیے ذمہ دار ہیں۔ پہلا مصرع

"دفن جب خاک میں ہم سوختہ ساماں ہوں گے"

بہت ہی روانی کے ساتھ موزوں ہوا ہے جس سے یقین میں کوئی شک نہیں کہ یہی مصرع سب سے پہلے آمد کے ساتھ نظم ہوا ہوگا۔ اس مصرع میں جو خیال پیش کیا گیا ہے وہ بہت ہی پیارا خیال ہے یعنی "دفن" "سوختہ ساماں" نے شاعر کے تحت الشعور کے ان جذبات کو بیدار کیا جو متقدمین کے مطالعے سے ذہن شاعر میں پہلے سے محفوظ تھے۔ عاشقوں کے مزار پر چراغ مفلس کا ٹمٹمانا ایک پرانا خیال ہے۔

شاعر کے تخلیقی جذبات نے ان ذہنی پیکروں کے ساتھ اس روایت کو وابستہ کر دیا کہ ایک مچھلی جس پر ایک نگاہ کے لیے اپنی دونوں سیپیوں میں دیے کو سنبھال رکھا ہے، اس کا چھلکا ہو (فلس) گل شمع شبستاں ہوگا۔ کیوں

"گل شمع شبستاں" ہوگا۔ اس کے لیے نہ کسی استدلال سے کام لیا گیا ہے اور نہ اس کی جگہ کسی جذباتی تسلسل کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ شاعر کی اس مطابقت کے دوران اس کی ماورائی اصلیت اس کی نظروں سے اوجھل یا کم از کم دھندلی یا مبہم رہتی ہے۔ اس مطابقت کے بعد شاعر جس ماورائی اصلیت پر پہنچا ہے، اس سے وابستہ جذبہ یہ ہے کہ ہمارا چراغ مزار معمولی چراغ مفلس نہیں ہوگا، بلکہ ایک نادر اور گراں قدر چیز ہوگا۔ لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے شاعر کا یہ جذبہ شدت کے ساتھ ظاہر نہیں ہو سکا ہے، بلکہ سلسلۂ تجرید میں دب کر رہ گیا ہے اس لیے ابلاغ کے اس مقام پر جذبات کی اضافی فراوانی کا فقدان ہے۔ یہاں نازک خیالی پیدا کرنے کی کاوش نے (INTUITIVE PULSION) کی موسیقی کو پوری طرح ابھرنے نہیں دیا اور نہ ہی کامیاب جدید شاعری کی طرح اس میں غیر متعصبانہ استفہام (UNCONCEPTUALIZABLE INTELLIGIBILITY) موجود ہے۔ دوسرے مصرع میں جو دور از کار اور بعید از قیاس ذہنی پیکر ہے، وہ قاری کے ذہن میں اثر کرتے وقت جذبات کی شدت پیدا کرنے کے لیے کافی نہیں۔ پہلے مصرع کی روانی کے ساتھ دوسرے مصرع کا تکلف قاری اور شاعر کے درمیان ایک اور دیوار کی حیثیت رکھتا ہے۔ الغرض مومن کے اس شعر میں شاعر کی ماورائی اصلیت تکلف کے درمیان کھو کے رہ گئی ہے اور کیفیتوں کے ابلاغ کے دوران کہیں کہیں جذبات کی اضافی فراوانی کی کمی کا احساس ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ کا یہ قول کہ "اچھی شاعری سمجھ میں آنے سے پہلے ہی قاری کو متاثر کر دیتی ہے"۔ اس شعر پر صادق نہیں آتا۔ اس لیے مومن کے اس شعر کو تمام نازک خیالیوں کے باوجود کامیاب شاعری کا لقب نہیں عطا کیا جا سکتا۔

صفحہ ۴ سے آگے

بہت کچھ تھی لیکن وہ ادب کے نئے رجحانات اور جدید مطالبوں کے بھی دل سے قائل تھے اور شاعری میں نئے نئے تجربوں کا خیر مقدم کرتے تھے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ جہاں ایک طرف پختہ مشق شاعروں کی جدید جدید غزلیں شائع ہوتی تھیں وہیں نو بہ نو خیز شاعروں کی ایسی تخلیقات بھی نظر آتی تھیں جن کے جدید آہنگ پر پرانے مذاق کے بزرگ ناک بھوں چڑھاتے تھے۔ نیاز کی پسند میں بڑی لچک تھی لیکن بحیثیت مجموعی ان کا تنقیدی شعور کلاسیکل تھا۔ خیال کا ہی اہم کیوں نہ ہو وہ نہیں رکھتے تھے کہ خیال کی خاطر فن کی گردن مار دی جائے۔ اسی بنا پر شعر و ادب کا بھرپور جائزہ لیتے وقت وہ اس کے حسن اور فنی خوبیوں پر زیادہ زور دیتے تھے۔ ... کے باوجود نیاز کی تنقیدوں کو ہمیشہ توجہ اور احترام کے ساتھ پڑھا گیا۔ اور اس عہد کے تمام تنقید نگار نیاز کی رائے سے متاثر ہوئے ہیں۔ مختصر یہ کہ نیاز فتحپوری ایک ہمہ گیر شخصیت کے مالک، وہ بلاشبہ جامع الکمالات، جس صنف سخن پر قلم اٹھایا اسے ایک عظیم شان کارنامہ بنا دیا۔ ان کی خدمات کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا لیکن یہاں بعض ... اردو ادب کی تاریخ میں ان کا نام سونے کے حرفوں میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ نیاز کی نادر تالیفات ہمارے دل سے ... محسوس کرتے ہیں کہ ان کے اٹھ جانے سے جو جگہ خالی ہوئی ہے اسے تیس پینتیس سال یعنی کم از کم موجودہ صدی کے آخر تک اس کے پر ہونے کی کوئی امید نہیں۔

غزلیں

میر یٰسین علی خاں

اک قیامت تھا چمن میں مری پرواز کا رنگ
قفسِ تنگ میں کیا حفظ آواز کا رنگ

ہم بھی تھے محوِ نشاط آور نَے چنگ و رباب
پیری آئی تو تھم ہوا ہر ساز کا رنگ

آب گل تاب شفق برگِ حنا کی سرخی
ان سبھی اجزا سے بنا ہے ترے انداز کا رنگ

زلف شب رنگ سے پھوٹی ترے عارض کی کرن
طفل شب زاد ہے سر صبح کے آغاز کا رنگ

ایک لوری ہی سمجھتے ہیں پڑھنے والے
جب بدل جاتا ہے نغمۂ ید اعجاز کا رنگ

وہ چلے آتے ہیں جب خلوتِ دل میں یٰسین
ہر نئے شعر کو مل جاتا ہے اعجاز کا رنگ

آفتاب شمسی

اپنے سینے میں چھپائے ہیں طوفاں کتنے
شہر میں تجھ سے ملے ہیں دلِ سوزاں کتنے

سرِ گریباں نہیں شائستۂ ارباب جنوں
یوں تو آتے ہیں نظر چاک گریباں کتنے

وہی احساس کی شدت وہی محبوب شوق
لاکھ چھپ جائیں وہ پھر بھی ہیں نمایاں کتنے

تیرے وحشی کہاں پابندیٔ زنجیر کہاں
یوں بنائے تو بنائے گئے زنداں کتنے

غم دوراں غم جاناں غم ہستی غم حال
اک زمانے کے بدلتے رہے عنواں کتنے

ہاں یہی درد رہا صورتِ غم شمسی پہ روا
ہاں ابھی درد نے ٹھکرائے ہیں درماں کتنے

شاہد کبیر

تمہارے شہر میں بھٹکے ہیں اجنبی کی طرح
کسی نے بات بھی پوچھی نہ آدمی کی طرح

ہمارے زخم کہاں تک سیئے گئے چارہ گرو!
بہار آتے ہی کھل جائیں گے کلی کی طرح

بہت گراں تھی شب اور وہ تو خیر ہوئی
تم اس طرف جو نکل آئے چاندنی کی طرح

یہ ماہتاب سا کچھ ہے کہ آفتاب ہے یہ
ستارے سوچ میں ڈوبے ہیں فلسفی کی طرح

ہمارے دل میں بھی حسرت ہے مسکرانے کی
حضور ہم بھی تو انساں ہیں آپ ہی کی طرح

تری گلی سے تو جائیں مگر کہاں جائیں
جہاں بھی جائیں گے پہنچیں گے تری گلی کی طرح

زمانہ پھونک چکا تھا ہمیں مگر شاہد
بکھر گئے ہیں اندھیروں میں روشنی کی طرح

عتیق تابش

یہ وہ منزل ہے کوئی کیسے سمجھائیں ہم
اپنے امکاں میں اگر ہو تو پلٹ آئیں ہم

کیا خبر پھر یہ شبستاں روشنیاں پائیں ہم
یا کسی وادیٔ گمنام میں کھو جائیں ہم

کس بلندی پہ کھڑے ہوکے پکاریں تجھ کو
کون سے بام سے دل کھول کے بتلائیں ہم

یاد آتے ہیں کئی گزرے ہوئے ماہ و سال
وقت اے وقت ذرا دیر کو رک جائیں ہم

امتحاں عذر کا محتاج نہیں ہوتا ہے
کاش اے بھولنے والے تجھے یاد آئیں ہم

اس سے پہلے کہ ہمیں ڈھونڈ لیں بڑھنے والے
آؤ خوابیدہ زمانوں میں نکل جائیں ہم

زیست اب اپنے ہی اوراق کو کھرچتی ہے
کہ مجھے تو ترے سینے میں اتر جائیں ہم

سر پہ سورج ہے بدن تو وہ برفاب تمام
کیا کہا جائے کہ کس روز پگھل جائیں ہم

کوئی دن آئے تو آواز بن جائے حیات
کوئی دن آئے تری آرزو کہلائیں ہم

اردو کا مستقبل

(انگریزی کے کثیر الاشاعت روزنامہ انڈین ایکسپریس نے اپنی ۹ ستمبر کی اشاعت میں مندرجہ بالا عنوان سے ایک اداریہ شائع کیا ہے جس کا ترجمہ ادارہ کی طرف سے قارئین ہماری زبان کی دلچسپی کے لیے درج ذیل کرتے ہیں۔ ہماری زبان میں اس سے پہلے بھی بعض انگریزی اخبارات کے اداریے اور ان کے کالموں میں شائع ہونے والے مضامین کا ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ ان اداریوں سے خود بخود یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جہاں انگریزی صحافت کی اردو کے سلسلے میں دلچسپی ظاہر ہوتی ہے وہاں اس حقیقت کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اردو کے ساتھ اس کے وطن میں جو ناانصافی ہو رہی ہے اس کو سنجیدہ حلقوں میں شدت کے ساتھ محسوس کیا جا رہا ہے لیکن اس سے اردو دوستوں کی جد و جہد میں کمی نہیں آنا چاہیے بلکہ پورے جوش اور عزم کے ساتھ اردو کی تحریک کو جمہوری، قومی اور سیکولر خطوط پر اس وقت تک جاری رکھنا چاہیے جب تک ہماری اس قومی زبان کو اس کا جائز اور قانونی حق نہ مل جائے۔ ادارہ ہماری زبان)

بظاہر یہ تجویز بہت معقول معلوم ہوتی ہے کہ اترپردیش کی سرکار کو ریاست کے اردو بولنے والے عوام کی شکایات پر غور کرنے کے لیے ایک ایسی کمیٹی کی تشکیل کرنا چاہیے جو ان مشکلات پر غور کرے جو وقتاً فوقتاً اردو والوں کو تعلیمی اداروں میں پیش آتی رہتی ہیں۔ لیکن اس تجویز کو غور سے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس سے فائدہ کا امکان کم ہے اور نقصان کا زیادہ۔ اس حقیقت کی تصدیق کے لیے کہ اردو بولنے والوں کی شکایات سچی اور جائز ہیں کسی کمیٹی کی تشکیل کی ضرورت نہیں ہے۔ سابق اقلیات کا کمشنر اس حقیقت کو تسلیم کر چکا ہے کہ اترپردیش میں اردو کی تعلیم کے لیے جو انتظامات کیے گئے ہیں وہ ہر اعتبار سے ناکافی اور ناقابل اطمینان ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ اترپردیش کی سرکار کمشنر کے اس خیال سے متفق نہیں ہے لیکن حکومت کا جواب تسلی بخش اور معقول نہیں ہے۔

اسکولوں کے منتظمین اور ارباب اختیار کو یہ حکم صادر کر دینا ہی کافی نہیں کہ جہاں پانچ یا پانچ سے زیادہ طالب علم اردو کو اپنی مادری زبان بتائیں وہاں اردو کی تعلیم کا انتظام کیا جائے۔ اصل سوال یہ ہے کہ جو احکامات صادر کیے جاتے ہیں ان پر کس حد تک عمل کیا جاتا ہے اور اردو کی تعلیم کے لیے جو انتظامات کیے جاتے ہیں وہ کس حد تک تسلی بخش ہیں۔ اگر اترپردیش کی سرکار واقعی اردو کو اس کا جائز حق دینے کی خواہشمند ہے تو وہ اس کمیٹی کے بغیر بھی کر سکتی ہے جو فخر الدین علی احمد نے تجویز کی ہے۔

اردو کو جائز حق دینے کا مسئلہ صرف اترپردیش تک محدود نہیں ہے۔ اگر اردو کی حفاظت اور اس کی تعلیم کے لیے شعوری اور ٹھوس اقدامات نہیں کیے گئے تو اس زندہ اور مالدار زبان کے آہستہ آہستہ دس بیس سال میں ختم ہو جانے کے امکانات خاصے قوی ہیں۔ ایسا وقت آنے میں اگر کچھ دیر ہے تو اس سے اس کی حقیقت نہیں بدل جاتی۔ لسانی بنیاد پر ریاستوں کی تقسیم کی وجہ سے ملک کی دوسری قومی زبانوں کو ترقی دی جا رہی ہے اور بعض ریاستی سرکاریں اس میں شدت سے بھی کام لے رہی ہیں۔ اردو کو یہ سرپرستی حاصل نہیں ہے۔ اگرچہ وہ ہر طرح اس کی مستحق ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ اس سلسلے میں انفرادی تدابیر اختیار کی جائیں۔ بعض ریاستوں میں جیسے کہ اترپردیش اور بہار ہے، اردو کو ثانوی زبان کا درجہ دیے جانے کا مطالبہ ہر لحاظ سے معقول ہے۔ بس اس کے لیے اونچی سطح پر مرکز اور ریاستوں کو سیاسی فیصلہ کرنا ہے۔ اردو کو جو مسائل درپیش ہیں ان کو دیکھتے ہوئے ایک اور کمیٹی کی تشکیل کی تجویز بے معنی معلوم ہوتی ہے۔

مراسلات

قمر زمانی

ماہنامہ "آجکل" بابت جولائی ۶۶ء میں جناب مالک رام کا ایک مضمون "نیاز فتحپوری" کے عنوان سے شایع ہوا ہے۔ اس میں مصنف نے "قمر زمانی بیگم" کے متعلق ایک دلچسپ واقعہ بھی بیان کیا ہے اس سے یہ بات صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ قمر زمانی بیگم "نیاز" تھے اور کوئی نہ تھا۔ اس میں مصنف نے لکھا ہے کہ نیاز نے خط اپنے ہاتھ سے لکھے تھے اور یہ سب نظام الدین شاہ دلگیر کو اکسا کر دوسری مرتبہ "نقاد" نکالنے کے لیے کیا گیا تھا۔ جناب مالک رام نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک صاحب نے قمر زمانی کا پارٹ ادا کیا تھا اور دلّی میں برقع پہن کر شاہ دلگیر سے ملاقات بھی کی تھی۔ ساتھ ساتھ مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ شاہ دلگیر کو اس ملاقات کے بعد اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ انھیں فرضی قمر زمانی کے خطوط بھیج کر جل دیا گیا ہے۔

جناب مالک رام نے یہ جملہ بھی لکھا ہے "میں نے نیاز کی زندگی میں ان سے یہ درخواست کی تھی کہ وہ خود یہ سارا واقعہ قلم بند کر کے شایع کر دیں یا پھر مجھے اجازت دیں کہ اسے لکھ دوں بوجوہ ان دونوں باتوں پر وہ رضامند نہ ہوئے"

یکم جون ۶۳ء کے 'ہماری زبان' میں جناب مجنوں گورکھپوری نے "قمر زمانی (ایک یاد)" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا اس میں انھوں نے بھی قمر زمانی کی شاہ دلگیر سے دلّی والی ملاقات کا ذکر کیا ہے مگر گفتگو کے متعلق کچھ نہیں لکھا بس یہ لکھا ہے کہ پردے کے پیچھے سے "دست نگاریں" کی اک جھلک دکھائی گئی تھی۔ جناب مجنوں گورکھپوری نے یہ بھی لکھا ہے کہ شاہ دلگیر کو قمر زمانی کے عورت ہونے کا ایمان بالغیب کی حد تک تھا اس کے ثبوت میں انھوں نے لکھا ہے کہ شاہ دلگیر نے مہدی حسن افادی کو کچھ یوں لکھا تھا "قمر زمانی کے وجود کا مجھے اس طرح یقین ہے جس طرح خود اپنے وجود کا" جناب مجنوں گورکھپوری نے کہی ہے کہ انھیں قمر زمانی کی سرگذشت نیاز ہی نے سنائی تھی۔ اپنے مضمون کے آخر میں جناب مجنوں گورکھپوری نے یہ جملہ لکھا تھا

"نیاز صاحب ابھی زندہ ہیں۔ خدا ان کو زندہ رکھے میں چاہتا ہوں کہ وہ خود اپنی زبان سے دُنیا کو مفصل بتا دیں کہ قمر زمانی کی اصلیت کیا تھی اور شاہ دلگیر کو پردہ کی آڑ سے کس نے ہاتھ دکھایا تھا ...... یہ داستان اردو ادب کے مورخین اور محققین کے لیے حسرت بخش ہو گی ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اہل تحقیق قمر زمانی کے شجرہ ان کے سوانح حیات ان کی صورت و سیرت ان کی پیدائش اور وفات کے سن اور اولاد کے متعلق اپنے اپنے شواہد فراہم کر لیں ...... نیاز صاحب اردو ادب کی تاریخ کو اس خطرہ سے بچا سکتے ہیں"

جناب مالک رام نے نیاز سے اس واقعہ کو بیان کرنے کی اجازت چاہی تو نیاز مرحوم نے انھیں اجازت نہ دی۔ جناب مجنوں گورکھپوری نے یہاں تک لکھا کہ اسے راز میں رکھنا اردو ادب کی تاریخ کے لیے خطرہ سے خالی نہیں۔ اس کے باوجود بھی نیاز نے اپنے پرچہ میں کہیں اشارۃً بھی اس کا ذکر نہیں کیا۔ آخر وہ کیا پرا جس کا ڈر تھا۔ یہ راز راز رہا۔ شاہ دلگیر کی ملاقات قمر زمانی سے جناب مالک رام اور جناب مجنوں گورکھپوری نے الگ الگ طریقے سے بیان کی ہے۔ مجنوں گورکھپوری نے لکھا تھا کہ "جلس یا پردہ کے پیچھے سے کسی کا دست رنگیں" شاہ دلگیر کو دکھایا گیا تھا۔ جناب مالک رام کہتے ہیں کہ ایک برقع پوش خاتون نے شاہ دلگیر کے سامنے بیٹھ کر گفتگو کی۔ ہو سکتا ہے کوئی اور صاحب کچھ اور لکھیں۔

جناب مجنوں گورکھپوری نے قمر زمانی کے یہ دو شعر لکھے ہیں ؎

دل ہو ہی چکا ان کا پھر کیسی وفاکیشی
اب درس تغافل دے اے مصلحت اندیشی
کیا پوچھتے ہو کس کو ہے شکوہ دل ریشی
فرمائے رہو تم تو تعلیم ستم کیشی

اور جناب مالک رام نے لکھا ہے کہ انھیں یقین ہے کہ قمر زمانی اور شاہ دلگیر کی پوری خط و کتابت ڈاکٹر ضیا عباس ہاشمی کے خاندان میں محفوظ ہو گی۔ اگر ایسا ہے تو یقیناً ان خطوط سے قمر زمانی پر کچھ روشنی پڑ سکتی ہے اور اس روشنی سے اردو ادب کی تاریخ آئندہ لکھے جانے والے کچھ بے سروپا واقعات سے بچ جائے گی۔ کیا کوئی خدا کا بندہ قمر زمانی اور نیاز کی کڑیوں کو ملانے کی کوشش کرے گا؟

(انیس نورالحسن انور ادیب)

حرماں تلمیذ درد

مولانا خواجہ مشتاق اجمیری "تذکرہ شعرائے اجمیر" سے متعلق اپنی ایک "بیاض یادداشت" میں تحریر فرماتے ہیں:

"خواجہ میر درد کے ایک مرید اور شاگرد حرماں تخلص (صاحب دیوان شاعر) قاضی اجمیر کے عملہ میں ملازم تھے۔ ان کا ایک شعر ہے ؎

دل میں حرماں کو تم نہ دو جو جا
اُن سے میرا پیام جب کہیو

مجھے زیر ترتیب "تذکرہ شعرائے اجمیر" کے لیے حرماں کے کسی قدر حالات اور نمونۂ کلام کی ضرورت ہے۔ کوئی واقف حال آگاہ فرمائے تو کرم ہوگا۔

سید فضل المتین
مشرقی دروازہ۔ درگاہ شریف
اجمیر

(ابوسلمان شاہجہان پوری)

مولانا آزاد کی یاد میں

اخبارات و رسائل کے چند خاص نمبر

(گزشتہ سے پیوستہ)

چٹان۔ لاہور، ہفت روزہ

جلد (۱۸) شمارہ (۹) یکم مارچ ۱۹۶۵ء

لکھنے والے:۔ ریاض الرحمٰن شروانی، عبدالرحمٰن لدھیانوی اور ابوسلمان شاہجہانپوری۔

جلد (۱۸) شمارہ (۱۰) ۸ مارچ ۱۹۶۵ء

لکھنے والے:۔ ابوسلمان شاہجہانپوری اور محمود واجد

مذکورہ بالا نمبروں میں تین مضامین مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی سیرت اور اخلاق و کردار، ان کے علم و فضل اور خدمات کے بعض پہلوؤں پر ہیں اور ہر طرح قابل مطالعہ۔

ان نمبروں کا تذکرہ اس ذیل میں اس لیے ضروری تھا کہ یہ چٹان کے آزاد نمبر کے تتمہ و تکملہ کی حیثیت رکھتے ہیں، کسی خاص اہمیت و افادیت کے مضامین جو آزاد نمبر کی تیاری یا اشاعت کے بعد پہنچے ان کو زیر تبصرہ دو نمبروں میں شامل کر دیا گیا۔ ان نمبروں میں مولانا کی کوئی تصویر نہیں ہے۔

دورِ حیات۔ بمبئی، ہفت روزہ (آزاد نمبر)

جلد (۲) شمارہ (۱۵) ۲۵ فروری ۱۹۶۰ء

صفحات (۳۰) سائز ۸/۳۰×۲۰ قیمت ۲۵ نئے پیسے

ایڈیٹر:۔ قیصر منظر حسین

لکھنے والے:۔ روش صدیقی، سہیل عظیم آبادی، حمیدہ سلطان، حیات اللہ انصاری، اے۔ ایچ۔ نامی، شہباز صدیقی، یوسف سرمست اور قیصر منظر حسین کے مضامین نظم و نثر پر مشتمل ہے۔

اس کے مطالعہ سے مولانا کی زندگی کے کئی پہلو سامنے آتے ہیں، ان کی عظمت اور خدمات جلیلہ کا نقش دل پر اور گہرا ہو جاتا ہے۔ یہ نمبر مولانا آزاد ایجوکیشنل ٹرسٹ کی جانب سے شایع کیا گیا تھا۔

سرورق مولانا کے ایک خوبصورت فوٹو سے مزین ہے، اندر پر ایک مشہور مصور ایم۔ ایف حسین نے برش قلم سے مولانا کی تصویر بنائی ہے۔

شاہراہ۔ دہلی، ماہنامہ (مولانا ابوالکلام آزاد نمبر)

جلد (۱۱) نمبر (۲، ۳) فروری و مارچ ۱۹۵۹ء

صفحات (۱۲۰) سائز ۸/۳۰×۲۰ قیمت ڈیڑھ روپیہ

ایڈیٹر: محمد یوسف (جامعی)

لکھنے والے: پنڈت نہرو، قاضی عبدالغفار، غلام رسول مہر، محمد عتیق صدیقی، محمد مہدی، سید شبیر الدین، عبدالرزاق ملیح آبادی، ابو علی اعظمی، عبدالماجد دریابادی اور ناجور سامری کے مقالات شامل ہیں۔

حصہ نظم میں نیاز حیدر، جگن ناتھ آزاد، نشتر خانقاہی اور حسن مہدی نے حصہ لیا ہے۔

مولانا آزاد کی تحریروں کے اقتباسات، چند خطوط، آخری تقریر اور کچھ ان کا کلام شامل ہے۔ مولانا کے نام سے ایک کہانی "قمارباز" شریک اشاعت ہے۔ معلوم نہیں یہ کہانی کہاں سے نقل کی گئی۔ حوالہ نہیں دیا گیا حالانکہ اس کی اہمیت بھی مسلّم تھی۔

یہ نمبر بڑے سلیقے سے شایع کیا گیا ہے۔ بعض مضامین بہت اہم ہیں اور بعض مضامین سطحی معلومات اور سرسری مطالعہ پر مبنی ہیں۔ ایڈیٹر نے "گزارش احوال واقعی" کے عنوان سے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ یہ نمبر ہر طرح قابل قدر اور لائق مطالعہ ہے۔ مولانا مرحوم کے عقیدت مندوں کے لیے ایک خاص تحفہ اور مولانا پر تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے بڑے کام کی چیز ہے۔

سرورق مولانا مرحوم کی دو رنگی ایک دستخطی تصویر سے مزین ہے۔

صبا۔ حیدرآباد، ماہنامہ (ابوالکلام نمبر)

جلد (۱) شمارہ (۲، ۳) ۱۹۵۹ء

صفحات (۱۱۲) سائز ۸/۳۰×۲۰ قیمت ایک روپیہ ۲۵ پیسے

مجلس ادارت: سلیمان اریب، وحید اختر اور سردار سلیم

لکھنے والوں میں:۔ مانک رام، عالم خوندمیری، تمکین کاظمی، عابد رضا بیدار، نصیر الدین ہاشمی، اشفاق الدین صدیقی کے مقالات مولانا مرحوم کے سوانح اور تذکرۂ ادب پر شامل ہیں۔

شاہد صدیقی، جگن ناتھ آزاد، شاذ تمکنت، عزیز قیسی، خورشید احمد جامی، متین سروش، رشید قریشی، خضر تابش، وفا صدیقی، بشیر النسا بیگم اور وحید اختر نے اشعار میں مولانا مرحوم کو نذر عقیدت پیش کی ہے۔

پنڈت سندر لال، راجیشوری نہرو، آغا حیدر حسن، فضل الرحمٰن، حبیب الرحمٰن، عبدالقادر سروری، اشفاق حسین، حیرت بدایونی اور سری نواس لاہوٹی کے تاثرات شامل ہیں۔

کبیر احمد جائسی نے ترجمان القرآن اور عالم خوندمیری نے انڈیا ونس فریڈم پر اپنا تنقیدی مطالعہ پیش کیا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی چند غزلیں، اردو و فارسی، ایک رباعی اور قاضی عبدالغفار کے نام چند مکاتیب بھی رسالہ کی زینت ہیں۔

سلیمان ادیب کی پہلی بات "اور نظم مبین سحر کے پیام" سے رسالہ کا افتتاح ہوتا ہے۔

سرورق پر مولانا مرحوم کی ایک بڑی سی تصویر ہے۔

قومی زبان، کراچی، پندرہ روزہ

جلد (۱۳) شمارہ (۶)، ۱۶ مارچ ۱۹۵۸ء
صفحات (۲۴) سائز ۲۰×۲۶/۸ قیمت ۱۳
ایڈیٹر: مشفق خواجہ، نگراں: بابائے اردو مولوی عبدالحق
لکھنے والے: مدیر ڈاکٹر محمد احسن فاروقی، قاضی عبدالغفار، نیاز فتح پوری، عبدالعلی خاں، آصف جیلانی کے مضامین شامل ہیں۔
صفحۂ اول پر مولانا آزاد مرحوم کی ایک غزل اور دو غزلوں کے چند اشعار شایع کیے گئے ہیں۔

یہ علمی و ادبی لحاظ سے بھی نہایت اہم ہے اور اس اعتبار سے بھی اہم ہے کہ بابائے اردو کے مولانا مرحوم سے اختلافات بلکہ مخالفت کی شہرت ہے لیکن انھوں نے مولانا کی وفات پر ان سے متعلق مضامین کی اشاعت میں اہتمام کی ہدایت سے مخالفت کی اس شہرت کو غلط ثابت کر دیا۔ یہ نمبر جہاں مولانا مرحوم کی عظمت اور خدمات کا اعتراف ہے وہیں بابائے اردو کی وسیع القلبی اور اخلاقی عظمت کا ثبوت بھی ہے۔

ماحول، کراچی، ہفت روزہ (ابوالکلام آزاد نمبر)

جلد (۱) شمارہ (۱۷، ۱۸) ستمبر ۱۹۶۰ء
صفحات (۱۹۴) سائز ۲۰×۳۰/۸ قیمت دو روپے
ایڈیٹر: انور عارف
لکھنے والے: سید سلیمان ندوی، غلام السیدین، نیاز فتح پوری، نندلال، مالک رام، شورش کاشمیری، محمد اجمل خاں، چراغ حسن حسرت، رشید احمد صدیقی، شیخ حسام الدین، سید عبداللہ، ممتاز حسن، خواجہ احمد فاروقی، منظور اللہ خاں عزیز، علی عباس حسینی، عبداللہ بٹ، فاطمہ بیگم، صالحہ عابد حسین، حمیدہ سلطان، ثریا حمید صدیقی، تاج الدین، محمد وارث کامل، آغا آفتاب قزلباش، سہیل عظیم آبادی، اس نمبر کے مقالہ نگار ہیں۔

اس نمبر میں مندرجہ ذیل شعرا کی نگارشات شامل ہیں۔
عبدالحمید عدم، شورش کاشمیری، یحییٰ اعظمی، محشر بدایونی، جگن ناتھ آزاد، انور صابری، ملوک چند محروم، عبدالمجید بھٹی، روشن صدیقی، ساغر صدیقی، ساغر نظامی، شاہد صدیقی، ہری ناتھ امن، آغا شاعر قزلباش، ایرانی نگار، ایم۔ اے ا ور طاہر شادانی۔

اس نمبر میں مولانا آزاد مرحوم کا کلام بھی شامل ہے۔ ایڈیٹر نے پہلی بات کے عنوان سے رسالہ کی ابتدا کی ہے۔ سرورق پر کسی آرٹسٹ کا بنایا ہوا مولانا آزاد کا ایک خوبصورت اسکیچ ہے۔

اس نمبر میں شامل تمام مضامین نظم و نثر معیاری اور قابل مطالعہ ہیں۔ سارا مواد خلوص اور پرواز خیالی ہے۔ مولانا مرحوم پر تحقیقی کام کرنے والوں کے مطالعہ کے لائق اور اعتماد کے قابل ہے۔ ایک صحافی کے نام مولانا مرحوم کے خطوط کے انتخاب میں محترم ایڈیٹر سے تسامح ہوا اگر وہ ذرا غور فرماتے تو معلوم ہو جاتا کہ یہ تمام خطوط جعلی ہیں۔

مورچہ، گیا، ہفت روزہ (یوم مولانا آزاد نمبر)

جلد (۳) شمارہ (۵۶) ۱۱ اپریل ۱۹۶۴ء
صفحات (۲۴) سائز ۲۰×۳۰/۴ قیمت پچاس پیسے
ادارہ: کلام حیدری، محبوب وارث، سبین شاہد
لکھنے والے: غلام رسول مہر، محمد مجیب، سلطان احمد، جمیل مظہری، دفا ملک پوری، اسپل سہسرامی، رضا نقوی اور ارکان ادارہ کے مضامین نظم و نثر شامل ہیں۔

ارکان ادارہ کے رشحات قلم کے علاوہ تمام مضامین نظم و نثر دوسرے اخبارات و رسائل سے منقول و ماخوذ ہیں لیکن ان مضامین کی افادیت اور علمی حیثیت میں کلام نہیں۔

گیا میں مولانا مرحوم پر سیمینار اور یوم آزادی کی روداد اس نمبر کی خاص چیز ہیں۔ ملک کے ممتاز مفکروں اور رہنماؤں کے پیغامات اور تصاویر بھی شامل رسالہ ہیں۔

شاہدہ حیدری صاحبہ کا شکر گزار رہنا چاہیے کہ ان کی کوششوں سے گیا میں یوم آزاد منایا گیا اور جس کے طفیل ایک خوبصورت نمبر مولانا مرحوم کے عقیدت مندوں اور علم و ادب کے شائقین کے ہاتھوں تک پہنچا۔

نیا خواب، رام پور، پندرہ روزہ (ابوالکلام آزاد نمبر)

جلد (۱) نمبر (۱۱) ۱۶ فروری ۱۹۶۳ء
صفحات ۸ سائز ۲۰×۳۰/۴ قیمت ۵ آنے پیسے
ایڈیٹر: احمد کاوش
لکھنے والے: آصف علی، سلطان اشرف، مسرت حسین آزاد، عابد رضا بیدار، ڈی پی مرچی، ذاکر حسین اور احمد کاوش کے مضامین شامل ہیں۔ مولانا مرحوم کی ایک تقریر اور ایک مضمون کا اقتباس شامل ہے۔ عابد رضا بیدار صاحب نے مولانا کی ابتدائی دور کی ایک تحریر پیش کی ہے۔ رام پور کے تعلق سے کئی نئی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں اس لیے اس نمبر کا اہتمام کرنے والے ہمارے شکریے کے مستحق ہیں لیکن نمبر ختم کرنے کے بعد احساس ہوتا ہے کہ مولانا مرحوم سے متعلق رام پور کے الیکشن میں ایسا کچھ کا انتظام کیا گیا ہے۔ کوئی تصویر شامل نہیں ہے۔

نئی دنیا، دہلی، روزنامہ (امام الہند نمبر)

تاریخ اشاعت: ۱۵ نومبر ۱۹۶۰ء قیمت تین روپے
صفحات (۳۵۰) مع تصاویر۔ سائز: ۲۰×۳۰/۸

(باقی صفحہ ۱۲ کالم ۲ پر)

اردو سے متعلق شکایات کی چھان بین کے لیے کمیٹی کی تجویز

لکھنؤ ۹؍ستمبر۔ مرکزی وزیر آبپاشی جناب فخرالدین علی احمد نے آج یہاں ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ میں نے اترپردیش کی وزیر اعلیٰ شریمتی سوچیتا کرپلانی کو مشورہ دیا ہے کہ اترپردیش کے اسکولوں میں اردو کی تعلیم کے سلسلے میں جو بے قاعدگیاں کی جا رہی ہیں ان کی جانچ پڑتال کے لیے ایک کمیٹی مقرر کریں۔ انھوں نے کہا کہ وزیر اعلیٰ نے میرا مشورہ قبول کر لیا ہے اور خیال ہے کہ جلد ہی ایک کمیٹی مقرر کر دی جائے گی۔

جناب احمد نے سلسلۂ گفتگو میں بتایا کہ انھوں نے وزیر اعلیٰ سے لسانی کمشنر کی رپورٹ کے بارے میں بھی تفصیل سے بات چیت کی جس میں کہا گیا ہے کہ مرکزی حکومت کے سرکلر کے بعد بھی، اردو کے معاملے میں اترپردیش میں عمل درآمد نہیں ہوا۔

انھوں نے کہا مجھ سے آج انجمن ترقی اردو کے ایک وفد نے بھی ملاقات کی اور اردو کے ساتھ کی جانے والی بے قاعدگیوں سے مجھے آگاہ کیا میں نے ان باتوں سے وزیر اعلیٰ کو مطلع کر دیا ہے۔ انھوں نے کہا لیکن وزیر اعلیٰ کا کہنا ہے کہ لسانی کمشنر کی رپورٹ میں اترپردیش میں اردو سے متعلق جو باتیں کہی گئی ہیں وہ غلط ہیں۔

جناب احمد نے کہا کہ ہندوستان کی ۱۴ زبانوں میں اردو کا پانچواں مقام ہے اس بات کے پیش نظر اردو کو اس کا جائز مقام ضرور دیا جانا چاہیے اور جو لوگ اردو کو محض ایک فرقہ کی زبان قرار دینے کا پروپیگنڈا کر رہے ہیں وہ سراسر غلط ہے۔

ایک ہندی اخبار نویس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے انھوں نے کہا کہ کیا آپ آنند نرائن ملا کو بھی اقلیتی فرقہ کا ایک فرد کہیں گے جن کی مادری زبان اردو ہے اور جن کی خدمات سے سارا ملک واقف ہے انھوں نے کہا اگر یہ کہا جائے کہ اردو بولنے والے اقلیت میں ہیں تو صحیح ہے لیکن اسے کسی ایک اقلیتی فرقہ کی زبان قرار دینا درست نہیں ہے۔

جناب احمد نے اس بات کا بھی انکشاف کیا کہ یوپی میں بعض ایسے اداروں کو گرانٹ نہیں دی گئی جنھوں نے اردو کی تعلیم کا اپنے یہاں بندوبست کیا انھوں نے کہا اس کا انکشاف بھی لسانی کمشنر کی رپورٹ میں کیا گیا ہے انھوں نے کہا یہ رپورٹ مرکزی حکومت کے لیے ایک اہم دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے اور اسے یکسر غلط قرار نہیں دیا جا سکتا۔

انھوں نے کہا اردو کے ساتھ ریاستی حکومت کا جو رویہ ہے وہ افسوسناک ہے اور ساتھ ہی ساتھ جو لوگ اسے مسلمانوں کی زبان قرار دینا چاہتے ہیں وہ بھی غلطی پر ہیں۔

جناب احمد نے کہا کہ سہ لسانی فارمولے کے تحت اگر سنسکرت پر زیادہ زور دیا جائے یا اسے بھی لازمی مضمون کی حیثیت دی جائے تو ظاہر ہے کہ اردو کے لیے کوئی گنجائش نہیں نکلتی اور وہ نظر انداز ہوگی کیونکہ لوگ اپنے بچوں کو انگریزی پڑھانا چاہیں گے اور انگریزی کے مقابلے میں اردو کو ترجیح نہ دیں گے جس کے نتیجے میں اردو خود بخود نظر انداز ہوگی۔ انھوں نے کہا جہاں تک میں سمجھتا ہوں غالباً سہ لسانی فارمولہ کا یہ مقصد نہیں ہے جیسا کہ اس پر عمل درآمد ہو رہا ہے

(قومی آواز)

ریاستی انجمن ترقی اردو دلی کی مجلس عاملہ کا اہم اجلاس

دلی ۱۸؍ستمبر گذشتہ روز انجمن ترقی اردو کی عاملہ کی میٹنگ ہوئی پنڈت سندر لال جی نے صدارت کی۔ ایجنڈہ کے مطابق سب سے پہلے دلی میں اردو کے مسئلہ پر غور ہوا۔ بہار برنی نے ارکان مجلس عاملہ کو بتایا کہ دلی میں اردو کی حیثیت کو تسلیم کرانے کے سلسلہ میں انجمن نے کیا کوششیں کی ہیں مجلس عاملہ کو بتایا گیا کہ بطور خاص اردو کا مسئلہ جناب فخرالدین علی احمد صاحب کے سامنے آیا تھا۔ انجمن نے دلی کے سلسلہ میں پورا کیس جس میں سابق اسٹیٹ دلی اسمبلی کی زبان کمیٹی کی رپورٹ ایڈوائزری کمیٹی کی رپورٹ ایڈوائزری کمیٹی کی رپورٹ کے حوالے جات میونسپل کمیٹی کا ریزولیوشن اردو ایڈہاک کمیٹی کی رپورٹ آنجہانی جناب نہرو کے خطوط کی نقل اور دوسرے ضروری کاغذات کی علاوہ انجمن کے مطالبہ ناموں کی نقلیں اور اردو کنونشن کے خطبہ استقبالیہ مجلس صدارت کا خطبہ وغیرہ شامل کیا گیا تھا۔ بہار برنی نے مزید بتایا کہ دلی کے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار میٹروپولیٹن کونسل کو دیا گیا ہے انجمن کے لیے یہ فیصلہ غیر متوقع نہیں تھا مرکز میں انجمن کی سرگرمیوں کا مقصد زیادہ تر اردو کے سوال پر مرکز کے ذمہ دار کو بھی متوجہ کیا جائے

(الجمعیۃ)

انجمن ترقی اردو اترپردیش کی مشاورتی کمیٹی کا جلسہ

ریاستی انجمن ترقی اردو کی مشاورتی کمیٹی کا جلسہ زیر صدارت پنڈت آنند نرائن ملا صدر انجمن ہوا۔ جلسہ میں حیات اللہ انصاری، بیگم سلطانہ حیات، قاضی مختار احمد جنرل سکریٹری، رضاء الرحمٰن جامعی (رامپور)، داتا رسول (بنارس)، راحت علی خاں (نانپارہ)، [illegible] اور ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی (لکھنؤ) نے شرکت کی۔

جلسہ میں شاخوں کی تنظیم پر غور کیا گیا اور طے پایا کہ علاقائی ذمہ داروں کو متوجہ کیا جائے کہ وہ اپنے اپنے متعلقہ حلقوں کی شاخوں کو فعال بنانے پر زور دیں اور زیادہ سے زیادہ ممبر بنائیں۔

یہ بھی طے پایا کہ ریاستی انجمن کے دفتر کو باقاعدہ اور مضبوط بنانے کے لیے مرکزی انجمن سے امداد لی جائے۔ اور ہر شاخ سے درخواست کی جائے کہ وہ اپنے کوٹے کے علاوہ کم از کم پندرہ روپیہ سالانہ مزید دے اس کے علاوہ عطیات اور دوسرے ذرائع سے انجمن کی مالی حالت کو مستحکم بنایا جائے۔

طے پایا کہ مرکزی وزیر جناب فخرالدین علی احمد سے صوبائی انجمن کا ایک وفد صدر انجمن کی قیادت میں ملے۔ اس سلسلے میں ریاستی مشاورتی کمیٹی کے مذکورہ ممبروں کا ایک جلسہ ساڑھے دس بجے پنڈت آنند نرائن ملا کے مکان چیتا گپتا پر

(قومی آواز)

بائیس لاکھ دستخطوں والی درخواست منظور کی جائے

انجمن ترقی اردو اترپردیش کا وفد

لکھنؤ ۱۹ ستمبر: "ہندوستان کے باشندوں کا بنیادی حق ہے کہ وہ اپنی مادری زبان میں تعلیم حاصل کریں اور اس سلسلے میں دشواری نہ محسوس کریں۔"

ان الفاظ کے ساتھ پنڈت آنند نرائن ملا صدر انجمن ترقی اردو اترپردیش نے اردو کا معاملہ مرکزی وزیر فخرالدین علی احمد صاحب کے سامنے پیش کیا۔ جن کے سپرد مرکزی حکومت اور کانگریس نے اردو کے مسئلے کو کیا ہے۔

اس وفد میں قاضی محمد مختار (سکریٹری)، قاضی محمد عدیل عباسی، بیگم سلطانہ حیات، ڈاکٹر رضی واحت علی سندیلوی، جناب وفا راز جان، جناب راحت علی خاں، جناب دانا رسول، جناب امین سلونوی، اور جناب حیات اللہ انصاری شامل تھے۔

وفد نے وضاحت سے بتایا کہ حکومت نے جو جو حقوق اردو کو دئے ہیں ان پر عمل نہیں ہو رہا ہے۔ اس لیے مرکزی حکومت کو کوئی ایسا قدم اٹھانا چاہیے جو اردو کو اس کے حقوق عملی طور پر دلا دے۔ وفد نے کہا کہ بائیس لاکھ دستخطوں والی درخواست منظور کی جانی چاہیے۔

وفد کی جانب سے پنڈت آنند نرائن ملا نے کہا ہمیں ریاستی حکومت سے کوئی امید نہیں ہے اردو کے متعلق سب کچھ کہا جاتا ہے لیکن حکومت اترپردیش کے محکمہ تعلیم کے ذمہ داران عملی اقدام نہیں کرتے ہیں پنڈت جی نے کہا کہ یہ آخر کون سی جمہوریت ہے اور یہ کیسی آزادی اور کیسا ہمارا وطن ہے جہاں ہم اپنی زبان کے استعمال کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے ہم اپنے بچوں کو اردو پڑھا سکتے ہیں نہ اردو زبان کو بول سکتے ہیں اور نہ اردو لکھ سکتے ہیں وطن تو وہی ہوتا ہے جہاں انسان آزادی کے ساتھ اپنی زبان بولے پڑھے اور لکھے کم از کم میں تو اسے وطن سمجھنے کو تیار نہیں ہوں جہاں ہمارے اوپر اتنی پابندی ہو کہ ہم اپنی زبان اردو کے لکھنے پڑھنے پر کوئی قدرت نہیں رکھتے۔

ملا صاحب نے کہا کہ دفعہ ۳۴۷ کے تحت اردو کو علاقائی زبان تسلیم کرنا چاہیے اس سلسلہ میں متعدد یادداشتیں اور یوشداشتیں بھیجی گئی ہیں اور وہاں موجود ہیں اس کے علاوہ بھی اگر کسی چیز کی ضرورت ہوگی تو اسے مہیا کر دیا جائے گا۔ جناب حیات اللہ انصاری، بیگم حیات اللہ انصاری، قاضی عدیل عباسی اور دانا رسول صاحب نے مختلف مراحل پر حکومت سے مراسلت کرنے اور اسے مطالبات کی طرف توجہ دلانے کے سلسلہ میں مثالیں پیش کیں اور کہا کہ گو ان اقدامات سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

جناب فخرالدین علی احمد نے کہا کہ وہ آج وزیر اعلیٰ اترپردیش سے ملے ہیں اور وہ کہتی ہیں کہ اردو تعلیم کے سلسلہ میں تمام آسانیاں مہیا ہیں بلکہ وزیر اعلیٰ کا کہنا ہے کہ لسانی کمشنر کی شائع کردہ ان رپورٹوں میں جو پارلیمنٹ کے سامنے پیش ہو چکی ہیں اکثر باتیں غلط ہیں اور اس اصول کو انھوں نے تسلیم کیا کہ اردو میں اردو پڑھنے والے بچوں کو تعلیم ملنا چاہیے اس موقع پر چودھری گردھاری لال وزیر آبپاشی اور برقیات آگئے جناب فخرالدین علی احمد نے چودھری صاحب سے کہا کہ وہ وزیر اعلیٰ اترپردیش سے کہیں کہ وہ ایک گھنٹہ کا وقت نکال کر پنڈت آنند نرائن ملا سے بات چیت کریں تاکہ درمیانی غلط فہمی دور ہو جائے۔

وفد سے جناب فخرالدین علی احمد صاحب نے کہا کہ وہ اپنی رپورٹ اس مسئلہ میں وزیر اعظم کو پیش کریں گے انھوں نے پوری توجہ کے ساتھ وفد کے معروضات کو سنا اور اس سے ہمدردی ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ اردو کے سلسلہ میں دقتوں کو دور کرنا چاہیے اور وہ اس کی کوشش کر رہے ہیں۔

(قومی آواز)

انجمن ترقی اردو مدھیہ پردیش کا مطالبہ

بھوپال۔ مدھیہ پردیش ریاستی انجمن ترقی اردو نے مدھیہ پردیش ہائر سکنڈری بورڈ کے اردو کے ساتھ رویہ پر افسوس اور تشویش کا اظہار کیا ہے ایک بیان میں کہا ہے کہ مدھیہ پردیش ہائر سکنڈری بورڈ کے زیر اہتمام ہونے والے امتحان انٹرمیڈیٹ (انٹرنس کورس) میں اردو کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا ہے جب کہ اردو میں شرکت کرنے والے طلبہ کی کافی تعداد ہوتی ہے اس لیے بورڈ کو فوری طور پر اردو تعلیم کا انتظام کرنا چاہیے۔

ہائر سکنڈری کے امتحان میں اردو مضمون کی کتب "ادبی نغمے" نثر "ادبی شیرازے" نظم "نئی نظمیں" اور "کشمکش" عرصہ سے داخل نصاب ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ کتب نہ تو بازار میں دستیاب ہوتی ہیں نہ ہی پبلشرز ان کتب کو فراہم کرتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب اردو کی کتب نہ مل سکیں گی تو تعلیم کیسے ہوگی۔ ریاست کے مختلف مقامات سے برابر شکایات موصول ہو رہی ہیں۔ اردو پڑھنے والے طلبہ اور ان کے سرپرستوں میں سخت پریشانی اور بے چینی ہے۔

مدھیہ پردیش ہائر سکنڈری بورڈ۔ ہائر سکنڈری کی اردو کتب کی فراہمی کا فوری طور پر بندوبست کرے یا پھر ان کتب کے بجائے دوسری کتب جو بہ آسانی مل سکیں نصاب میں داخل کی جائیں تاکہ طلبہ سکون و اطمینان سے تعلیم جاری رکھ سکیں۔ (ندیمہ)

برہانپور انجمن ترقی اردو کا وفد بھوپال جائے گا

۱۷ ستمبر ۶۶ء برہانپور۔ انجمن ترقی اردو شاخ برہانپور کا ایک وفد ۲۸ ستمبر ۶۶ء کو مدھیہ پردیش کی راجدھانی بھوپال کو روانہ ہوگا۔ یہ وفد اردو مراٹھی ٹیچرس ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ برہانپور میں اردو امیدواروں کے داخلے کے سلسلے میں ایجوکیشن منسٹر اور متعلقہ ایجوکیشن محکمہ کے حضرات سے مل کر وضاحت کے ساتھ اردو مراٹھی ٹیچرس ٹریننگ اسکول کا معائنہ

پیش کرے گا۔ یاد رہے کہ ٹریننگ اسکول کے نئے پرنسپل پی کے گنگولی صاحب اردو مراٹھی کے امیدواروں کا داخلہ لینے کو ہرگز تیار نہیں حالانکہ صوبہ مدھیہ پردیش میں اردو اساتذہ کی ٹریننگ کا واحد سینٹر برہانپور ہی ہے۔ اس سلسلے میں مرکزی انجمن اور ریاستی انجمن کو بذریعہ رجسٹری مقامی انجمن کی پوری کارروائی کے ساتھ ٹریننگ اسکول میں نئے داخلے کی دشواریوں کا ذکر وضاحت سے کر دیا گیا ہے۔ اس جدوجہد میں ہم مدھیہ پردیش کی تمام شاخوں کو بھی متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ بھی اپنے اپنے طور پر ایجوکیشن منسٹر صاحب بھوپال کو جلد از جلد متوجہ کریں اور ہندی اردو انگریزی اخبارات میں بھی اس سلسلے کی کارروائیوں کی رپورٹ برائے اشاعت روانہ کریں۔ امید ہے کہ مرکزی انجمن اور ریاستی انجمن بھی اس اہم معاملہ کے لیے جلد کوئی مناسب قدم اٹھائے گی۔ ۲۸ ستمبر ۱۹۶۶ء کو جو وفد بھوپال روانہ ہو گا اس میں محترم مولانا حفظ الرحمن انصاری صاحب صدر انجمن اور جناب مرزا محمود بیگ صاحب آزاد بی۔ اے بی۔ ایڈ شامل ہوں گے۔

(محمد اظہر پروپیگنڈہ سکریٹری انجمن ترقی اردو شاخ برہانپور۔ ایم پی)

اردو کے ساتھ غیر منصفانہ رویہ کے خلاف احتجاج

وزیر اعظم کو نیشنل سالیڈیرٹی کونسل کی یادداشت

نئی دہلی ۲۰ ستمبر۔ مسز وجے لکشمی پنڈت کے زیر قیادت پرسوں سالیڈیرٹی کونسل کے ایک وفد نے وزیر اعظم ہند مسز اندرا گاندھی سے ملاقات کی اور انہیں اقلیتی مسائل کے بارے میں ایک میمورنڈم پیش کیا۔ اس میمورنڈم میں اردو کے بارے میں کہا گیا ہے کہ کیا یہ انتہائی افسوس کی بات نہیں ہے کہ یوپی میں جو اردو کا گھر ہے ایک بھی ایسا ثانوی اسکول نہیں جہاں ذریعہ تعلیم اردو ہو۔ جو پرائیویٹ ادارے ایسے اسکول چلا رہے ہیں انہیں تسلیم نہیں کیا جاتا۔ لسانی اقلیتوں سے متعلق رپورٹ ۱۹۶۲ء کے مطابق حکومت یوپی نے جہاں تک اردو کا تعلق ہے دستور ہند کی دفعہ ۳۵۰ الف کو نافذ العمل کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی۔ اس دفعہ کا تعلق پرائمری کی سطح پر بچوں کو ان کی مادری زبان میں تعلیم دینے سے ہے۔ مثال کے طور پر ۱۹۶۱ء میں یوپی میں پرائمری درجات میں صرف ۱۲۱۵۷۰ ایسے بچے تھے جن کی زبان اردو تھی جبکہ بہار میں جہاں اردو بولنے والوں کی تعداد کم ہے اس برس اردو کے بچوں کی تعداد ۲۱۳۹۲۹ تھی ۶۳-۱۹۶۲ء میں بھی یوپی میں صورت حال یکساں رہی اور تعداد میں اضافہ نہیں ہوا۔

سہ لسانی فارمولے کے تحت بھی انگریزی ہندی اور سنسکرت زبانوں میں جن کی تعلیم دی جا رہی ہے اردو کی نہیں کی گئی ہے جو کہ اس فارمولے کو نافذ العمل کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ اردو زبان کم سے کم یوپی بہار راجستھان دہلی مدھیہ پردیش اور آندھرا کی دوسری زبان رہنی چاہیے اور صدر جمہوریہ ہند کی طرف سے اس سلسلہ میں ان ریاستوں کے نام ایک سرکلر جاری ہونا چاہیے اور اس کا نفاذ پر جو وعدہ کیا جائے کہ تفصیل میں اس کی خلاف ورزی کی جائے جیسا کہ ماضی میں اکثر اوقات ہوا ہے۔

(الجمعیۃ دہلی)

اردو کو بہر صورت اتر پردیش کی علاقائی زبان کا درجہ ملنا چاہیے

مسز سبھدرا جوشی کی رائے

لکھنؤ ۱۴ ستمبر۔ ریاست جدید کے نمائندہ جناب منصف اختر قدوائی سے ایک انٹرویو کے دوران مسز سبھدرا جوشی ممبر پارلیمنٹ نے کہا کہ اردو کے لیے اتر پردیش کے سرکاری اور امدادی اسکولوں میں مناسب انتظام نہ ہونے کی وجہ سے اتر پردیش کا ایک خاصہ بڑا طبقہ اپنے بچوں کی اردو کی تعلیم کے لیے الگ اسکول اور مدرسے کھول رہا ہے ان کا یہ عمل حق بجانب بھی ہے مگر میرا اپنا خیال ہے کہ اس ملک میں ہر مذہب و ملت کے بچوں کے لیے تعلیم کے لیے ایک جگہ ہونی چاہیے اگر الگ الگ تعلیم ہوئی تو قومی ایکتا کا خواب کبھی بھی شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے گا۔

آندھرا پردیش اور مہاراشٹر میں سرکاری طور پر اردو زبان کو تسلیم کیا جاتا ہے لیکن یہ بد قسمتی ہے کہ اسے اتر پردیش میں کوئی مقام نہیں دیا جاتا۔ اس سلسلہ میں جناب کاملا پتی نے تمام وزراء سے گفتگو کی ہے اتر پردیش میں یا تو حکومت کی وہ شرطیں جو اسکولوں کے لیے ہیں پوری نہیں ہو پاتیں یا جہاں شرطیں پوری ہوتی ہیں وہاں کے ذمہ دار متعلقہ افسر اپنی ذمہ داریوں سے لاپرواہی برتتے ہیں۔

میں صرف اردو تعلیم ہی کے حق میں نہیں ہوں بلکہ اس کے بھی حق میں ہوں کہ اردو میں دفتری اور عدالتی کارروائیاں بھی ہوں مختصر یہ کہ کسی بھی طور پر اردو کو بہر صورت اتر پردیش کی علاقائی زبان تسلیم کیا جائے مسز جوشی نے مزید بتایا کہ میں اپنے حلقہ انتخاب کا دورہ کرنے جا رہی ہوں میں وہاں کے لوگوں سے بھی اس مسئلہ پر بات کروں گی اور وزیر اعلیٰ شریمتی سچیتا کرپلانی کو بھی ایک تفصیلی خط لکھ کر اردو کے مسئلہ پر متوجہ کروں گی۔ (ریاست جدید کانپور)

انجمن ترقی اردو مغربی بنگال کے وفد کا دورہ

سنیچر ۱۰ ستمبر کی شام کو انجمن ترقی اردو ریاستی شاخ مغربی بنگال کے جنرل سکریٹری جناب ایم۔ اے۔ مجید اور نائب سکریٹری جناب غلام نادر خاں ضلع بردوان کے مختلف مقامات کے دورے کے لیے روانہ ہوئے۔ تقریباً نو بجے شب کو رانی گنج پہنچنے کے بعد یہ وفد وہاں کے اردو دوستوں سے ملا اور مدرسہ و اسکول کی حالت دریافت کی۔ وفد نے حاضرین سے اپیل کی کہ اردو کی تحریک کو موثر بنانے کے لیے رانی گنج میں بھی انجمن کی ایک فعال شاخ بنائی جائے۔ یہ مقام افسوس ہے کہ پہلے یہاں انجمن کی ایک شاخ بنائی گئی تھی لیکن کچھ دنوں کے بعد ختم ہو گئی۔ حاضرین نے اس اپیل پر لبیک کہا اور طے پایا کہ جناب محمد نظام الحق صاحب کنوینر مقرر کیا جائے اور وہ مقامی اردو دوستوں کا جلسہ طلب کر کے ایک ایڈہاک کمیٹی قائم کر دیں جو رانی گنج میں ممبر سازی کر کے جدید دستور کے مطابق انتخابات کروائے۔

دوسرے ۱۱ ستمبر کی صبح کو مذکورہ بالا حضرات رانی گنج کے جناب سلطان حکیم انجم اور جناب اشرف صاحبان کی ہمراہی میں آسنسول پہنچے جہاں کی شاخ میں ہونے والے انتخاب کے سلسلے میں آپس میں اختلافات کی وجہ سے تعطل پیدا ہو گیا تھا۔ انجمن کا یہ وفد خاص طور سے انہیں اختلافات کو دور کرنے کی غرض سے یہاں آیا تھا۔ وفد نے پہلے دونوں گروہوں سے

جماعۃ اسلامی، ہمدرد کلب اور مسلم اسٹار کلب میں گفتگو کی۔ ہر دو جلسوں میں جہاں دونوں گروہوں کے کافی ہمدرد جمع تھے۔ وفد نے اردو کی اہمیت، انجمن ترقی اردو کے رول، جماعتی تنظیم اور آپس کے اتحاد و اتفاق کو برقرار رکھنے کی اہمیت پر زور ڈالا۔ تمام حاضرین نے ہر دو مقامات پر ان باتوں کی پرجوش تائید کی۔ بالآخر جنرل سکریٹری جناب ایم۔ اے مجید کی تجویز پر ہر دو گروہوں کے چار چار نمائندے انجمن کے وفد کے اراکین اور جناب سکھ رنجن چندو پادھیا، ایڈیٹر آسنسول بانی اکٹھے جمع ہوئے تاکہ ان اختلافات کو دور کرکے انجمن کو یہاں مستحکم بنانے کی صورتوں پر غور کیا جائے۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ باتیں شروع ہونے سے قبل ہر دو گروہوں کے نمائندوں نے مفاہمت کے سلسلے میں اپنی آمادگی ظاہر کی۔ مختلف تجاویز زیر بحث آئیں لیکن کسی پر اتفاق نہیں ہو رہا تھا۔ آخر کار جناب ایم۔ اے مجید نے بتایا کہ جنوری ۶۷ء میں بہرحال ایک نئی کمیٹی انجمن کے جدید دستور العمل کے مطابق بنانی ہے اس لیے انجمن کے وقار کی خاطر اور کلٹی میں اس کی ایک مستحکم شاخ قائم کرنے کی غرض سے ایک نئی عارضی کمیٹی قائم کی جائے جس کے کنوینر جناب سکھ رنجن چندو پادھیا ہوں اور ہر دو گروہ کے گیارہ گیارہ نمائندے اس کے ممبر ہوں۔ یہ کمیٹی نئی ممبر سازی کرکے جنوری ۱۹۶۷ء تک انتخابات کرانے کے بعد ختم بھی ہو جائے۔ تمام حاضرین نے اس تجویز کو بخوشی منظور کیا اور اس طرح یہ اختلافی نزاع بخوشی انجام پذیر ہوا۔

تقریباً ساڑھے سات بجے شب کو انجمن کا وفد آسنسول پہنچا جہاں اسلام پور میں انجمن کے اراکین جمع تھے۔ انجمن کے موقف اور اس کی کارروائیوں اور کارگزاریوں سے متعلق آپس میں تبادلۂ خیالات ہوئے۔ جنرل سکریٹری نے مشورے دیے کہ کس طرح سے انجمن کے کاموں کو آگے بڑھایا جائے اور راستے کی دشواریوں پر کس طرح قابو پایا جائے۔

یہ وفد نہایت کامیابی کے ساتھ آسنسول سے لوٹا۔ سفر کے دوران تمام مقامات پر اردو دوستوں نے اراکین وفد کا پرجوش خیر مقدم کیا۔

(علقمہ شبلی، پبلسٹی سکریٹری)

راجستھان میں تعلیم سے متعلق افسران توجہ کریں

جے پور۔ جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو راجستھان نے ایجوکیشن سکریٹری راجستھان کو ایک چٹھی لکھی ہے جس میں توجہ دلائی ہے کہ ۱۲ ستمبر ۶۶ء کو جو میٹنگ چیف سکریٹری صاحب راجستھان کی صدارت میں ہوئی تعلیمی معاملات کے متعلق فیصلہ ہوا ہے اس سلسلہ میں آپ کو متوجہ کیا جاتا ہے کہ قصبہ بڑی کھاٹو ضلع ناگور کے گورنمنٹ مڈل اسکول میں ۴۰ طلباء اردو پڑھنے والے ہیں۔ مگر وہاں کسی اردو پڑھانے والے ٹیچر کا انتظام نہیں ہے۔ مقامی شاخ نے مقامی افسران متعلقہ کو توجہ بھی دلائی لیکن انھوں نے کوئی پروا نہ کی۔ اس لیے استدعا ہے کہ بہ مہربانی جلد از جلد وہاں اردو ٹیچر کا انتظام کیا جا کر ممنون فرمائیں۔

اس چٹھی کی نقل جنرل سکریٹری مذکور نے (۱) منسٹر برائے لسانی اقلیات راجستھان جے پور۔ (۲) کمشنر برائے لسانی اقلیات ہندوستان الہ آباد (۳) ڈائرکٹر آف پرائمری اینڈ سکنڈری ایجوکیشن بیکانیر۔ (۴) ڈائرکٹر آف بھاشا وبھاگ راجستھان جے پور (۵) ڈائرکٹر آف پبلک گریونسیز راجستھان جے پور کو بھیجی ہے۔

اس چٹھی سے پہلے اسی قسم کی شکایات عدم تعلیم اردو اور عدم موجودگی ٹیچر وغیرہ کی بابت جنرل سکریٹری کوٹہ کے اسکولوں اور چورو کے اسکولوں کی بابت بھیج چکے ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ ابھی کہیں سے کوئی جواب جنرل سکریٹری کو نہیں ملا ہے۔ لہذا تعلیم سے متعلق افسران ریاست راجستھان اور بالخصوص ان اصحاب کو جنھیں چٹھیاں بھیجی گئی ہیں، اور وہاں کے مقامی افسران کو جہاں کے متعلق شکایت کی گئی ہے فوری توجہ کرنا چاہیے ان شکایات کو جلد دور کرنا ضروری ہے۔ (نامہ نگار)

صفحہ ۸ سے آگے

لکھنے والے: عبدالوحید صدیقی، ہاشمی بیگم، شریف الحسن نازش، احمد مصطفیٰ، شمیم پھلواروی، علامہ مانی جائسی، ابن الحسن مورخ، تلوک چند محروم، قاضی بشیر احمد، جمیل مظہری، محمد مجیب، قمر مراد آبادی، راجندر پرشاد، جواہر لال نہرو، گوبند ولبھ پنت، بی۔ وی۔ کیسکر، یحییٰ اعظمی، ہمایوں کبیر، ہادی القادری، غلام السیدین، اور صالحہ عابد حسین، ذاکر حسین، خواجہ احمد فاروقی، قمر الہدیٰ فریدی، غلام رسول مہر، بسمل سعیدی، ریاض الرحمن شروانی، عبدالرزاق ملیح آبادی، جگن ناتھ آزاد، ملا واحدی، انور صابری، محی الدین نوائی، انگار، رضی الرحمن، جمشید علی خاں، ثریا حمید، ثروت ناہید اور شورش کاشمیری کے مضامین نظم و نثر شامل ہیں۔

ان کے علاوہ اور مضامین نظم و نثر بھی شامل ہیں۔ نیز مولانا مرحوم کے مقالات و مضامین کے اقتباس اور خطبات شامل ہیں اور مولانا کا کلام بھی رونق افروز شمارۂ خصوصی ہے۔

اکثر مضامین اہم اور قابل قدر ہیں اور مولانا مرحوم پر تحقیقی کام کرنے والوں اور مولانا کے عقیدت مندوں کے لیے ہر طرح قابل مطالعہ ہیں۔ مولانا کی متعدد چھوٹی بڑی اہم اور مختلف ادوار کی تصاویر شامل ہیں۔

ایک درخواست:- اگر کسی صاحب کے علم میں کسی اخبار یا رسالہ کا کوئی خاص نمبر جو اس تعارف میں نہ آیا ہو تو وہ صاحب قیمتاً یا تحفۃً وہ نمبر عنایت فرمادیں تاکہ زیر ترتیب آزاد ببلوگرافی میں اس نمبر کا تذکرہ اور اس کے مضامین کے حوالے شامل کر لیے جائیں۔ اگر اس طرح مہیا کر دینا ممکن نہ ہو تو براہ کرم "ہماری زبان" میں اس کا تعارف کرا دیں۔ (ختم شد)

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ، پرنٹر ضمیر الدین ... نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوایا اور پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شایع کیا